# فہمِ قرآن میں حدیث وسنّت اور آثارِ صحابہؓ کی اہمیت

محمد اکرم ورک*

قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا، جس کو عام طور پر اہلِ عرب سمجھتے تھے، خود قرآنی آیات میں قرآن کی زبان کو ''عربی مبین''، یعنی بیّن اور واضح کہا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ قرآنِ مجید اپنی مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے کئی الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنیٰ سے ہٹا کر ایک مخصوص معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ اسی طرح قرآنِ مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لفظ کا معنیٰ ایک جگہ اور ہے اور دوسری جگہ اس کو کسی دوسرے مفہوم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے فہم قرآن کیلئے ہم قرآنی اصطلاحات اور مشکل الفاظ کے معانی کی تفہیم کے لئے تفسیر اور تشریح کے محتاج ہیں۔

## فہمِ کلام کے بنیادی اصول:

کسی بھی کلام اور گفتگو کو سمجھنے کے لئے تین بنیادی اصول ہیں۔

ایک، یہ کہ وہ کلام اور گفتگو جس زبان میں ہو اس زبان سے واقفیت ہو، اور یہ واقفیت اور مہارت اس درجے کی ہونی چاہیے جس درجے اور معیار کا وہ کلام ہو۔ کسی علمی اور ادبی کلام کو سمجھنے کے لئے صرف روزمرّہ کی زبان کا جان لینا کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے اسی معیار کی زبان میں مہارت ضروری ہے، جس میں وہ کلام ہو جس کی تفہیم مطلوب ہو، اس کے بغیر کلام کا حقیقی مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

دوسرا، متکلم کی منشاء تک رسائی ہو، اگر کلام اور گفتگو میں کوئی ابہام ہو تو متکلم کی مراد تک پہنچنا ممکن ہو، کیونکہ کسی بھی کلام کی تشریح اور تعبیر کا اوّلین حق متکلم ہی کو حاصل ہے، یہ دنیا کا معروف اصول ہے۔

تیسرا، یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ اس گفتگو اور کلام کا ماحول اور پس منظر کیا ہے؟ کیونکہ ماحول، پسِ منظر اور مخاطبین تبدیل ہونے سے بسا اوقات کلام کا مفہوم بدل جاتا ہے۔

دنیا کی کسی بھی زبان اور کلام کو سمجھنے کے یہی بنیادی اصول ہیں۔ اپنے موضوع کی مناسبت سے ہم پہلے اصول سے صرفِ نظر کرتے ہوئے براہ راست دوسرے اور تیسرے اصول پر بات کریں گے۔

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، قلعہ دیدار سنگھ، گوجرانوالہ۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دنیا میں گفتگو کا معروف اصول یہ ہے کہ اگر متکلم کی گفتگو سمجھ میں نہ آ رہی ہو، یا اس کی گفتگو کا کوئی حصہ مخاطب کے فہم وادراک سے بالاتر ہو تو اس کی وضاحت کا حق بھی متکلم ہی کو دیا جاتا ہے، اور پھر وہ جو وضاحت کرے وہی حتمی اور معتبر تصور کی جاتی ہے۔ اسی اصول کے مطابق دیکھا جائے تو قرآن مجید کا متکلم اللہ رب العزت ہے، لیکن متکلم تک ہماری براہ راست رسائی نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ سے ہمارا رابطہ اس کے نمائندے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے ہے اور انہوں نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اب اگر قرآنِ حکیم کے کسی مقام میں اشکال پیش آئے تو جس نمائندے کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے ہم قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتے ہیں، اسی کی بیان کردہ وضاحت کو بھی تسلیم کرنا چاہیے اور یہ اعتماد رکھنا چاہیے کہ وہ جو معنیٰ ومفہوم بیان کر رہے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہی ہے، کیونکہ متکلم کی حقیقی مراد اور منشا تک پہنچنے کے لیے ہمارے پاس آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ جب کسی فرد کو کسی قوم، ملک یا قبیلے کا نمائندہ اور سفیر تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کی ہر بات اس ملک وقوم کی طرف سے ہوتی ہے جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہو، اور اس کو نمائندہ تسلیم کر لینے کے بعد یہ حق باقی نہیں رہتا کہ اس سے یہ پوچھا جائے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی قوم کی طرف سے ہے یا یہ اس کی ذاتی رائے ہے؟۔ اب رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ کا نمائندہ تسلیم کر لینے کے بعد منطقی طور پر قرآن کے مختلف مقامات کی توضیح کرتے ہوئے آپ ﷺ جو کچھ فرمائیں گے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مراد ٹھہرے گی، کیونکہ یہی عقل عام کا تقاضا ہے، اور اگر اس میں کوئی اشکال تھا بھی تو اس کا خاتمہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل ١٦: ٤٤)

''اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تا کہ آپ ﷺ لوگوں پر ظاہر کر دیں، جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے،،

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (م ۱۹۷۷ء) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ آیتِ قرآنی اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت محض حامل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وحی یا "خط رساں" کی نہیں، بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے"۔(1)

دوسری آیت میں ہے:

﴿وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ﴾

(النحل،١٦:٦٤)

"اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب بس اسی لیے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ ﷺ اس کو ان پر واضح کر دیں"۔

اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرمادی کہ آیات کا یہ "بیان" آپ ﷺ کی طرف سے نہیں بلکہ ہمارے طرف سے ہوگا۔

ابن عباسؓ (م ٦٨ھ) فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ وحی کے الفاظ کو جلدی جلدی دہراتے تاکہ وہ فوراً یاد ہو جائیں اور کوئی لفظ بھی آگے پیچھے نہ ہونے پائے، اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ(٧٥/١٦۔١٩)﴾ "آپ ﷺ اس کو (یعنی قرآن کو) جلدی جلدی لینے کے لیے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے، یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا، تو جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ ﷺ اس کے تابع ہو جایا کیجیے، پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے"۔(2)

ان آیات میں دو باتیں قابل توجہ ہیں جن کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

ایک، یہ قرآن آپ ﷺ کو بھولے گا نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی حصہ آپ ﷺ سے ضائع ہوگا۔

دوسرا، جب بھی آپ ﷺ اس کی تلاوت کریں گے تو آپ ﷺ کی زبان پر پوری کی پوری وحی جاری ہوگی، ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ﴾ کے الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا ذمہ لے رہا ہے کہ قرآن مجید کا بیان آپ ﷺ کے دل میں ڈالنا اور آپ ﷺ کی زبان اطہر سے اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ (م ٦٨ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

"علينا أن نبيّنه بلسانك" (3)

''یہ ہمارے (اللہ تعالیٰ کے) ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ ﷺ کی زبان سے بیان کریں۔''

ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أى بعد حفظه و تلاوته نبيّنه لك و نوضّحه و نلهمك معناه على ما اردنا و شرعنا"(4)

گویا آپ ﷺ پر جس طرح قرآن مجید کے الفاظ نازل ہوئے ہیں اسی طرح اس کا معنی و مفہوم بھی نازل کیا گیا ہے، اور اب یہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنائیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشاء بھی واضح کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصبِ نبوت کے ساتھ جو تین بنیادی ذمہ داریاں تفویض فرمائیں، وہ درج ذیل ہیں:

ایک، آپ ﷺ کی پہلی ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِ (۳/۱۶۴)﴾ یعنی لوگوں پر آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور ان کی تبلیغ، آپ ﷺ کی اولین ذمہ داری ہے۔

آپ ﷺ کی دوسری ذمہ داری، ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (۳/۱۶۴)﴾ یعنی کتاب الٰہی کی تعلیم دینا اور اس کے معانی و مطالب کی وضاحت کرنا ہے۔

آپ ﷺ کی تیسری ذمہ داری کا تعین قرآنِ مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے ﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (۱۶/۴۴)﴾ ''ہم نے ذکر (قرآن مجید) کو آپ ﷺ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے اسے کھول کر بیان کریں۔''

اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا وہ بیان جس کے ذریعہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشاء کو واضح کریں گے وہ حدیث و سنت ہی کی صورت میں ہے۔ اس لئے قرآن مجید کو محض لغت، جاہلی شاعری اور عقل کی بنیاد پر سمجھنا اگر ممکن ہوتا تو رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کی تعلیم، تبلیغ، اور تفہیم جیسی بھاری ذمہ داریاں عائد کرنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ منکرین حدیث کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ قرآن مجید کی تشریح و تعبیر کا جو اختیار خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مرحمت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فرمایا ہے، وہ اس کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں، انہوں نے فہم قرآن میں جاہلی شاعری، لغت اور عقل کو ہی حتمی سمجھتے ہوئے قرآنِ مجید کی تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ صرف لغت کی بنیاد پر کسی بھی کلام کا حقیقی مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

اگر قرآن فہمی کے لئے عربی زبان اور لغت میں مہارت ہی کافی ہوتی تو کم از کم صحابہ کرامؓ کو فہم قرآن میں کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے تھی۔ جبکہ باوجود اس حقیقت کے کہ عربی زبان ہی صحابہ کرامؓ کی مادری زبان تھی، اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تمام ہی صحابہؓ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اسرار و رموز اور فنی باریکیوں سے آگاہ تھے، ان کو بھی قرآن فہمی میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اور بالآخر انہیں بھی مرادِ الٰہی تک پہنچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اپنے مؤقف کی وضاحت میں یہاں ہم چند مثالیں پیش کریں گے۔

رمضان المبارک میں جب انتہائی وقت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

## پہلی مثال:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾(البقرة،۲/۱۸۷)

''سحری کے وقت تم کھاؤ پیو، جب تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے جدا نہ ہو جائے۔''

تو ایک صحابی حضرت عدی بن حاتمؓ (م ۶۷ھ) نے اپنے سرھانے دو دھاگے رکھ لئے اور دیکھتے رہے کہ سفید دھاگہ اور سیاہ دھاگہ کب ایک دوسرے سے الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن معاملہ ان پر واضح نہ ہو سکا تو رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:

"انما ذالك سواد اللّيل و بياض النّهار"(6)

''اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

## دوسری مثال:

اسی طرح جب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام،۸۲/۶)

''جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ایمان کے ساتھ ظلم کو شامل نہ کیا ان کے لئے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

توصحابہ کرامؓ کو فکر لاحق ہوئی کہ ہم میں سے کون ہے جس سے کوئی نہ کوئی زیادتی نہ ہو جاتی ہو؟ صحابہ کرامؓ کی اس تشویش پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لیس ذالك انما هو الشرك" (7) "ظلم سے مراد زیادتی نہیں ہے بلکہ شرک ہے۔"

## تیسری مثال:

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ (التوبة،۹:۳۴)

''اور جولوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور پھر اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ ﷺ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے۔''

اس آیت مقدسہ میں مطلقاً مال جمع کرنے پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ''کنز'' سے کیا مراد ہے اور اس کا اطلاق کس مال پر ہوگا؟ اس آیت میں واضح نہیں ہے۔ اس لیے ابن عباسؓ (م ۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ انتہائی پریشان ہوئے، حضرت عمرؓ (م ۲۳ھ) نے فرمایا: تمہاری یہ پریشانی میں دور کرتا ہوں، چنانچہ وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی ﷺ! اس آیت نے آپ ﷺ کے اصحابؓ کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، رسول

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اللہ ﷺ نے ان کے اشکال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"ان اللّٰہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیّب مابقی من اموالکم وانّما فرض المواریث لتکون لمن بعدکم"(8)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کوفرض نہیں کیا مگراس لیے کہ وہ تمھارے باقی ماندہ مال کو پاک کردے اور بے شک اس نے قانون وراثت کو جاری فرمایا ہے تاکہ وہ مال بعد والوں کو بطور وراثت ملے''۔

ظاہر ہے اگر اسلام میں کسی بھی صورت میں مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو شریعت محمدی ﷺ میں مال کی زکوۃ اور میراث کی تقسیم کا قانون نہ ہوتا حضور ﷺ کے اس فرمان سے صحابہ کرامؓ پر آیت کا مفہوم واضح ہوگیا اور ان کے دل مطمئن ہوگئے۔ایک دوسری روایت سے یہ بات مزید واضح ہوجاتی ہے خالد بن اسلم کہتے ہیں:

ہم حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ آپؓ سے ایک اعرابی نے اسی آیت اور اس میں بیان کی گئی وعید کے بارے میں سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: اگر کسی نے خزانہ جمع کیا اور اس کی زکوۃ نہ دی تو اس کی تباہی یقینی ہے۔یہ حکم زکوۃ کے احکام کے نازل ہونے سے پہلے تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل کردیا تو اب وہی مال و دولت کو پاک کردینے والی ہے۔(9)

## چوتھی مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾(النساء ٤:١٢٣)

''نہ تمھاری تمناؤں پر (تمھاری بخشش ہوگی) اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر، بلکہ جو کوئی بھی برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لیے نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ مددگار''۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) نے اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایات نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دنوں مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے درمیان ایک طرح کا مناظرہ جاری تھا۔ اہل کتاب یہ کہہ کر اپنی فضیلت بیان کرتے کہ ہمارے نبی علیہ السلام تمھارے نبی ﷺ سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی پہلے کی ہے اور پھر یہ دعویٰ کرتے کہ ہم تو پکے جنتی ہیں۔ جبکہ مسلمان ان سے کہتے کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم النبین ہیں اور ہماری کتاب اگلی تمام کتابوں کو منسوخ کرنے والی ہے اس لیے ہم تم سے افضل امت ہیں اسی پس منظر میں مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا۔(12)

جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے مذکورہ بالا آیات کو بیان کیا تو ان کو شدید پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر ہر عمل کا بدلہ ضروری ہے تو پھر ہماری بخشش کیسے ہوگی؟ چنانچہ یہ آیت سن کر صدیق اکبرؓ (م ۱۳ھ) نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ کیف الصّلاح بعد هذه الاية؟﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ كالّ سوء عملنا جزينا به ؟ فقال رسول الله ﷺ :غفر الله لك يا ابابكرؓ،الست تمرض ؟ الست تنصب ؟الست تحزن ؟الست تصيبك الاوء؟ قالؓ : بلى،قال ﷺ : فهو ماتجزون به "(13)

''یارسول اللہ ﷺ اس آیت کے بعد ہماری نجات کیسے ہوگی؟ جب ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں بخشے ابو بکرؓ! کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟ اور کیا تم پر مصائب و آلام نہیں آتے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں ان سب چیزوں کی جزا دی جائے گی''۔

ابن عمرؓ (م ۷۳ھ) سے مروی ہے دوسری روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ سختی اہل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کتاب اور دیگر کافروں کے لیے ہوگی، جبکہ مسلمانوں کو ان کے گناہوں کی سزا اسی دنیا میں مختلف مصائب کی صورت میں مل جاتی ہے، ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب صدیق اکبرؓ نے یہ آیات سنی تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

" یا رسول اللّٰه ﷺبابی انت وامّی وایّنا لم یعمل سوءا وانّا لمجزیون بما عملنا ؟فقال رسول اللّٰه ﷺ:اما انت یا ابابکرؓ والمؤمنون ،فتجزون بذٰلك فی الدّنیا حتی تلقوا اللّٰه ،ولیس لکم ذنوب ،وامّا الآخرون فیجتمع ذٰلك لهم،حتّٰی یجزو به یوم القیامة " (14)

''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں،ہم میں سے کون ہے جس سے برے اعمال سرزد نہ ہوئے ہوں،تو کیا ہمارے ہر عمل کی جزاء دی جائے گی؟اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ جہاں تک تمہارا اور دوسرے مومنین کا معاملہ ہے تو تم لوگ دنیا میں ہی برے اعمال کی سزا پالو گے،اور تم اللہ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہ ہو گا، اور جہاں تک دوسروں (کافروں) کا معاملہ ہے ان کے تمام اعمال جمع کئے جائیں گے اور قیامت کے دن اسی کے مطابق ان کو جزاء وسزا دی جائے گی۔''

## پانچویں مثال:

قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاَمَّامَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖO فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا﴾

(الانشقاق،۸۴:۷،۸)

''تو جس کسی کو نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا''

اور حدیث میں ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

"ليس احد يحاسب الاهلك"(15)

''جس کا حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا جائے گا۔''

اس آیت وحدیث میں بظاہر مخالفت ہے۔آیت میں ہے جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا ان کا حساب آسان ہوگا اور حدیث چاہتی ہے کہ جس کا بھی حساب ہو اس کو عذاب ہو خواہ حساب آسان ہو یا سختی سے ہو۔

حضرت عائشہؓ نے یہ شبہ رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں یوں موافقت فرمائی کہ آیت میں دراصل حساب مراد نہیں ہے بلکہ عرض (سامنے کرنا) ہے یعنی دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنے والوں کے گناہ سامنے کر کے کہہ دیا جائے گا: یہ تمھارے گناہ معاف کر دیئے گئے تا کہ ان کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ :"من نوقش الحساب هلك" جو حساب میں کرید کیا گیا اور ذرا ذرا سی بات کی پوچھ ہوئی تو اس کو ضرور عذاب ہوگا۔ (16)

یہاں رسول اللہ ﷺ نے آیت کی تاویل کی کہ وہ برائے نام حساب ہے جو مومنین سے لیا جائے گا ، اصل حساب نہیں ہے۔گویا حدیث نے آیت کے مفہوم اور مراد الٰہی کو متعین کیا اور اس وضاحت کے بعد حدیث وسنت اور قرآن میں جو ظاہری تعارض تھا وہ بھی باقی نہیں رہا۔

## چھٹی مثال:

یعلی بن امیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾(النساء،٤:١٠١)

''جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر پڑھو، اگر تمھیں اس بات کا ڈر ہو کہ کہیں کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں''

اور اب تو امن ہے (یعنی پھر سفر میں قصر کیوں پڑھتے ہیں؟) حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی اس بات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پر تعجب ہوا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"صدقة تصدّق الله بها عليكم فاقبلوا صدقة"(17)

اللہ تعالیٰ نے (سفر میں تخفیف نماز کا) صدقہ کیا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو"

مطلب یہ ہے کہ شروع میں اگر چہ یہ رخصت ڈر کی وجہ سے تھی، مگر اب اس شرط کی معافی ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے آیت کی وضاحت فرمائی، ورنہ آیت کے ظاہری معنی میں اشتباہ بہر حال موجود ہے۔

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ صحابہ کرامؓ کی زبان عربی تھی اور وہ عربی زبان کے اسرار و رموز سے پوری طرح آشناء تھے، لیکن پھر بھی انہیں قرآن مجید کی کئی آیات کو سمجھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ایسے مواقع پر صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی طرف مراجعت کی۔ جس سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ عربی زبان و ادب میں مہارت اور عربی زبان کا اعلیٰ ذوق فہمِ قرآن میں معاون تو ہو سکتا ہے لیکن صرف یہ واحد صلاحیت قرآن مجید کی تفہیم کے لیے کافی نہیں ہے، اگر ایسا ممکن ہوتا تو کم از کم صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے تھی۔

دوسرا یہ کہ قرآن مجید کے مشکل مقامات کی تشریح اور تعبیر کے لیے صحابہ کرامؓ نے اپنی عقل و دانش اور اجتہادی بصیرت پر اعتماد کرنے کی بجائے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نظر میں رسول اللہ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جو کلام الٰہی کا حقیقی عرفان رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی منشا اور مراد کو جانتے ہیں، اس لئے قرآنی مشکلات کی گتھیاں سلجھانے کے لئے جس ہستی سے رجوع کیا جا سکتا ہے وہ صرف آپ ﷺ ہی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے اس طرز عمل کا تقاضا یہ ہے کہ اس حقیقت کا اعتراف کیا جائے کہ قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر کا محفوظ طریقہ صرف حدیث و سنت ہی ہے۔

25782

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

## فہمِ قرآن میں آثارِ صحابہؓ کی اہمیت:

تیسرا بنیادی اصول جس کی طرف ہم نے شروع میں اشارہ کیا تھا، یہ ہے کہ کسی کلام کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر اور ماحول سے واقفیت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی کلام کے حقیقی مفہوم اور مطلب کو سمجھنا ممکن نہیں ہے، لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ بات کب کہی گئی؟ کس ماحول میں کہی گئی؟ کن لوگوں سے کہی گئی؟ اس کے مخاطب عام لوگ تھے یا خاص؟ کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ پس منظر اور ماحول تبدیل ہونے سے کلام کا معنی بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

اب یہ واضح حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی جو بھی تعبیر وتشریح فرمائی ہے صحابہ کرامؓ ہی اس کے عینی شاہد تھے، اس لئے صرف وہی بہتر جانتے ہیں کہ کونسا حکم ناسخ ہے اور کونسا منسوخ؟ کس آیت کا پس منظر کیا ہے؟ اور کون لوگ اس کے مخاطب ہیں؟ وہ حکم عام لوگوں کے لیے ہے یا چند مخصوص لوگوں کے لیے؟ ان تمام سوالات کی وضاحت کے لیے ہم صحابہ کرامؓ کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ اصولی اعتبار سے فہم قرآن کے لیے جس طرح ہم حدیث وسنت کے محتاج ہیں اسی طرح صحابہ کرامؓ کے تعامل اور ان کے اقوال و آثار کے بھی محتاج ہیں۔ فہم قرآن کے لیے آثارِ صحابہؓ کی جو اہمیت ہے اس کی وضاحت کے لیے ہم چند مثالیں عرض کریں گے۔

## پہلی مثال:

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ (م ۶۵ھ) ان صحابہ کرامؓ میں سے تھے، جنہوں نے حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) اور امیر معاویہؓ کی باہمی چپقلش اور جنگوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا، فتنے اور باہمی محاذ آرائی کے اس افسوس ناک دور میں آپؓ نے کسی بھی فریق کی عملی حمایت سے ہمیشہ احتراز فرمایا۔ بعض لوگوں کو آپؓ کے طرزِ عمل پر اعتراض تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک آدمی ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمٰنؓ: کیا آپؓ نے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اللّٰہِ﴾ (الحجرات ۹:٤۹)

''اوراگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کررہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے''۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ آپؓ بھی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان صلح کروادیں ورنہ آپؓ جس کو حق پر سمجھتے ہیں اس کی حمایت میں لڑیں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: اے بھتیجے! مجھے اس آیت پر عمل نہ کرنے اور قتال سے احتراز برتنے پر عار دلائے جانے سے یہ زیادہ محبوب ہے کہ مجھے اس بات پر عار دلائی جائے کہ میں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء ۹۳:۴) ﴾ ''اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار رکھے گا''۔ تو وہ آدمی کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ یہ بھی تو فرماتا ہے: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال ۳۹:۸)﴾ ''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوجائے'' چونکہ اس شخص نے اپنے ذہن میں فتنے کا ایک غلط مفہوم سمجھ رکھا تھا اس لیے ابن عمرؓ نے اس کی غلطی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

قد فعلنا على عهد رسول اللّٰه ﷺ اذ كان الاسلام قليلاً فكان الرّجل يفتن في دينه اما يقتلوه واما يوثقوه حتى كثر الاسلام فلم تكن فتنة(40)

''اس فتنہ کے خلاف ہم عہد رسالت ﷺ میں قتال کر چکے ہیں جب اسلام کمزور تھا، آدمی کو اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں مبتلا کیا جاتا تھا (اگر وہ اسلام پر ہی اصرار کرتا پھر) یا تو اس کو قتل کردیا جاتا یا اس کو قید کرلیا جاتا یہاں تک کہ اسلام طاقت ور ہوگیا اور فتنہ باقی نہ رہا''۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ابن عمرؓ کی اس وضاحت سے واضح ہوا کہ جس فتنے کا قرآن نے ذکر کیا ہے اس سے مراد دو مسلمان گروہوں کا باہمی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد کفار کی وہ کوششیں ہیں جو وہ اہل ایمان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے کرتے ہیں، ایسے فتنہ کی سرکوبی کے لئے جہاد فرض ہے حتی کہ فتنہ ختم ہو جائے۔

## دوسری مثال:

ابوعمران التجیبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم سلطنت روم میں رومیوں کے ایک عظیم الشان لشکر سے برسر پیکار تھے کہ اسی دوران ایک مسلمان مجاہد نے پر جوش انداز میں تن تنہا رومی لشکر پر حملہ کر دیا اور ان کی صفوں میں گھس گیا اس پر لوگوں نے شور بلند کرتے ہوئے کہا: "**سبحان اللّٰہ یلقی بیدیہ الی التھلکۃ**" "سبحان اللہ اس نے اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈال دیا۔" (اور اس کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کی طرف تھا۔) ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرة،۲:۱۹۵) ﴾ حضرت ابوایوب انصاریؓ (م ۵۱ھ) جو اس لشکر میں موجود تھے، انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم اس آیت کے یہ معنی سمجھتے ہو؟ حالانکہ یہ آیت ہم انصار کے بارے نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان وانصار پیدا ہو گئے، تو ہم میں سے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بالا ہی بالا یہ مشورہ کیا کہ جہاد اور دیگر دینی خدمات میں مسلسل مشغولیت کی وجہ سے ہماری جائیدادیں تباہ ہو گئی ہیں، اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شان وشوکت عطا کر دی ہے اور کثیر لوگ اس کے حامی ومددگار بن گئے ہیں چونکہ اب اسلام کو ہماری مدد کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی اس لیے ہمیں اپنی جائیدادوں وغیرہ کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة،۲:۱۹۵)

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ذاتوں کو ہلاکت میں مت ڈالو"۔

لہذا اس بنا پر جہاد ہلاکت نہیں ہے بلکہ جہاد چھوڑ کر فکر معاش میں پڑ جانا ہلاکت ہے۔(41)

حضرت ابوایوب انصاریؓ چونکہ اس آیت کے پس منظر سے آگاہ تھے اس لیے، انہوں نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس فکری غلطی کی فوراً اصلاح فرما دی، ورنہ اس سے نہ صرف اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے والے مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوتی بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت کا غلط مفہوم بھی لوگوں کے ذہنوں میں پختہ ہو جاتا۔ ویسے بھی اگر اس آیت کے اس تاریخی پس منظر اور شانِ نزول کو نظر انداز کر دیا جائے تو مذکورہ بالا آیت کے پہلے جز ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور دوسرے جز ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَة﴾ میں کوئی ظاہری مناسبت نظر نہیں آتی۔

## تیسری مثال:

عہد صحابہؓ اور خلافت راشدہ کے دور میں خوارج کا ظہور ہوا یہ لوگ عجیب وغریب عقائد ونظریات رکھتے تھے، ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائمی طور پر جہنم میں رہے گا اور جو شخص ایک دفعہ جہنم میں چلا جائے گا پھر دوبارہ اس کو وہاں سے آزادی نصیب نہیں ہوگی۔ تابعی یزید الفقیر کہتے ہیں:

میرے دل میں خوارج کی اس بات نے گھر کر لیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا، پھر میں نے لوگوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حج کرنے کا ارادہ کیا اور سوچا کہ حج کے بعد ہم سب مل کر اس مذہب کی تبلیغ کریں گے۔ یزید کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ صحابی رسول ﷺ حضرت جابر بن عبداللہؓ مسجد نبوی میں درس حدیث دے رہے ہیں اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت ان کا درس سن رہی ہے، اتفاق سے حضرت جابر بن عبداللہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ جہنمی اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے میں نے ان سے کہا: اے صحابی رسول ﷺ! یہ آپ کیسی حدیث بیان فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ﴾(آل عمران،۳:۱۹۲)

''اے ہمارے رب! بے شک جس شخص کو تو نے جہنم میں ڈال دیا اس کو رسوا کر دیا''

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾(السّجدہ،۳۲:۲۰)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''جہنمی جب کبھی دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔

آپؓ ان آیات کے خلاف کیسے حدیث بیان کررہے ہیں؟ حضرت جابرؓ نے اس اعتراض پر فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ **یزید الفقیر** کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے فرمایا: کیا تم نے قرآن میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مقام (یعنی مقامِ محمود) پڑھا ہے جس مقام پر آپ ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا؟۔ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے فرمایا: محمد ﷺ کا مقام، وہ مقامِ محمود ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت سے جہنمیوں کو جہنم سے نکال لے گا۔ یزید کہتے ہیں: پھر حضرت جابرؓ نے پل صراط اور لوگوں کے اس پر سے گزرنے کی کیفیت بیان کی، اور انہوں نے کہا: کہ کچھ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے۔

یہ حدیث سن کر ہم نے آپس میں کہا: تم لوگوں (یعنی خارجیوں) پر افسوس! تمہارا کیا خیال ہے یہ بزرگ اللہ کے رسول ﷺ پر افتراء باندھ رہے ہوں گے؟ چنانچہ یہ حدیث سن کر سوائے ایک آدمی کے تمام لوگ خارجی عقائد سے تائب ہو گئے۔(42)

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو قرآن کی تفسیر صرف قرآن ہی سے کرنے کے قائل ہیں بسا اوقات سامنے کی بات کو بھی نہیں سمجھ پاتے، وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خوارج کی گمراہی کی بڑی وجہ بھی یہ تھی کہ یہ لوگ نہ تو مقامِ رسالت سے آگاہ تھے اور نہ ہی یہ لوگ حدیث وسنت کی صحیح قدر و قیمت کا شعور رکھتے تھے، جس کی وجہ سے ان لوگوں نے قرآن مجید کو سمجھنے میں جگہ جگہ غلطیاں کیں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ (م ۷۸ھ) چونکہ ان آیات کے حقیقی پس منظر سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے ان کے اشکالات کو رفع کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے مقامِ محمود اور امّت کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ کو ایسے انداز میں بیان فرمایا کہ جس سے، نہ صرف آیاتِ قرآنیہ کا مفہوم واضح ہو گیا بلکہ قرآن و حدیث میں کوئی تعارض بھی باقی نہ رہا۔

## چوتھی مثال:

قرآن مجید میں ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ (النساء، ٤:٣)

''اوراگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے''۔

اس آیت مقدسہ کے پہلے جز ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى ﴾ اور دوسرے جز ﴿فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ میں بظاہر اس وقت تک کسی مناسبت کا تلاش کرنا مشکل نظر آتا ہے جب تک اس آیت کے تاریخی پس منظر اور شان نزول سے مکمل آگاہی اور واقفیت نہ ہو کیونکہ آیت کے دونوں اجزا کا مضمون اور مفہوم بادیٔ النظر میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ (م ۹۳ھ) نے ایک دفعہ جب اسی اشکال کا ذکر حضرت عائشہؓ (م ۵۷ھ) سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

اے میری بہن کے بیٹے! یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں ہے جو اپنے ولی کے زیر پرورش ہو اور اس کے مال میں بھی شریک کی حیثیت رکھتی ہو، ایک طرف تو ولی اس کے مال پر نظر رکھتا ہو اور دوسری طرف اس کے حسن و جمال سے بھی لگاو رکھتا ہو، لیکن اس کا ولی حق مہر میں انصاف سے کام لیے بغیر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو اور اسے اتنا حق مہر نہ دینا چاہتا ہو جتنا کہ کوئی دوسرا دے سکتا ہو۔ اس آیت میں دراصل ایسے لوگوں کو یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے، جو صرف ان کے مال کی وجہ سے ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے نکاح کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے جب کہ وہ دستور کے مطابق ان کو حق مہر دینے کے لیے تیار ہوں، تاہم ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ وہ جن بھی دوسری عورتوں سے نکاح کرنا چاہیں، کرسکتے ہیں۔ (43)

حضرت عائشہؓ کی اس وضاحت سے جہاں اس آیت کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے وہاں آیت کے دونوں اجزا میں جو ربط ہے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں رہتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

## پانچویں مثال:

ہشام بن عروہؒ (م ۱۴۷ھ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی نوعمری کے زمانے میں ام المومنین حضرت عائشہؓ (م ۵۷ھ) سے سوال کیا کہ آپؓ کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کیا رائے ہے:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾(البقرة،۲:۱۵۸)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان طواف کرے''۔

میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ان صفا و مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہ ہونا چاہیے؟۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ہرگز نہیں، تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے اگر مسئلہ یہی ہوتا تو پھر آیت یوں ہونی چاہئے تھی۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔اسلام سے پہلے انصار منات بت کے نام سے احرام باندھا کرتے تھے، یہ بت مقام قدید میں رکھا ہوا تھا۔انصار صفا اور مروہ کی سعی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو انہوں نے سعی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اس پر یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی۔(44)

## چھٹی مثال:

اسلام میں امر بالمعروف ونھی عن المنکر اپنی اپنی حدود اور دائرہ کار میں امت کے ذمہ فرض ہے۔قرآنِ مجید کی کئی آیات اور احادیث میں اس فریضہ کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔اسی پس منظر میں جب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

(المائدة،۵:۱۰۵)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہوتو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا، جو کچھ تم کیا کرتے تھے''۔

بعض لوگوں نے اس آیت کا یہ مفہوم سمجھا کہ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ خود راہ راست پر رہیں، دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں؟ اس سے انہیں کوئی غرض نہ ہونی چاہیے ۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ سے ایک شخص نے مذکورہ بالا آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: ''واللہ تم نے بہت ہی باخبر آدمی سے سوال کیا ہے ، میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت تمھارے بارے میں نہیں اس لیے تم بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جانا بلکہ برابر امر بالمعروف ونھی عن المنکر کیے جاؤ حتیٰ کہ لوگ تنگ دل اور تنگ حوصلہ ہو جائیں، زکوٰۃ نہ دیں، خواہشات کی پیروی کرنے لگیں، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگیں، ہر شخص اپنی ہی رائے پر اڑنے لگے، کسی ناصح کی کچھ نہ سنے، اس وقت الگ تھلگ ہو جاؤ، نابکاروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اور پھر فرمایا:

"فانّ من ورّائکم ایّاماالصّبر فیھنّ مثل القبض علی الجمر للعامل فیھنّ مثل اجر خمسین رجلاًیّعملو ن مثل عملکم"(10)

''بے شک تمہارے بعد ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کر بیٹھ رہنے والا ایسی مشکلات میں ہوگا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ اپنے آپ نیک عمل کرنے والا گویا پچاس آدمیوں کے برابر نیک اجر پائے گا''۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں بھی یہ آیت موضوع بحث رہی ہے اور جب بعض لوگوں نے اس آیت کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرنا چاہا تو حضرت صدیق اکبرؓ (م ۱۳ھ) نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یاایھا النّاس انّکم تقرء و ن ھذہ الایة ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااھْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًافَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تَعۡمَلُوۡنَ﴾وانّکم تضعونها علی غیر موضعها وانّی سمعت رسول اللّٰه ﷺیقول :ان النّاس اذا راوا المنکر ولایغیّروہ اوشك اللّٰه ان یعمّھم بعقابه" (11)

''لوگو!تم یہ آیت پڑھتے ہولیکن تم اس کو اس کے اصل مفہوم پر نہیں رہنے دیتے ،میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: بے شک لوگ جب گناہ کی بات دیکھیں اور پھر انہیں غیرت اور غصہ نہ آئے تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کردے''

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فہمِ قرآن کے لئے جس طرح ہم حدیث وسنّت کے محتاج ہیں اسی درجے میں ہم آثارِ صحابہؓ اور تعاملِ صحابہؓ کے بھی محتاج ہیں، کیونکہ یہ صحابہ کرامؓ ہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے براہ راست مخاطب تھے اور جن کے سامنے قرآنِ مجید کا نزول ہوا، اس لئے وہ قرآنی آیات کے شانِ نزول، اسبابِ نزول، زمانۂ نزول اور حقیقی مفہوم سے پوری طرح آگاہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے امت کے لئے اپنی سنّت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین کے طریقہ اور سنّت کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔حضرت عرباض بن ساریہؓ (م ۷۵ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے لوگوں کے دل نرم اور آنکھیں تر ہوگئیں، پھر آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"فعلیکم بسنّتی وسنّة الخلفاء الرّاشدین المھدیّن،عضّوا علیھا بالنواجذ وایّاکم والامور المحدثاتِ،فانّ کلّ بدعة ضلالة "(45)

''تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی اتباع لازم ہے،اس کو مضبوطی سے تھام لو۔دین میں نئی باتوں کو شامل کرنے سے بچو بے شک دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے۔''

حضرت عمر بن خطابؓ (م ۲۳ھ) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہؓ کے درمیان اختلاف کے بارے میں پوچھا جو (شریعت کے فروعی مسائل میں) میرے بعد واقع ہوگا،تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھ کو آگاہ کیا کہ اے محمد ﷺ!حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صحابہؓ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے،جس طرح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ان ستاروں میں سے اگر چہ بعض قوی یعنی زیادہ روشن ہیں لیکن نور (روشنی) ان میں سے ہر ایک میں ہے۔ (اسی طرح صحابہؓ میں سے ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق نور ہدایت رکھتا ہے) لہذا جس شخص نے (علمی وفقہی مسائل میں) اختلاف صحابہؓ میں سے جس چیز کو بھی اختیار کر لیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اصحابی کالنّجوم فبایّھم اقتد یتم اهتدیتم "(46)

''میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (پس تم ان کی پیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ فہم دین کے لئے صحابہ کرامؓ کی اتباع نہ صرف عقل عام کا تقاضا ہے بلکہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے۔ مذکورہ بالا چند مثالوں سے اس بات میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ فہم قرآن کے لئے جس طرح ہم حدیث وسنت کے محتاج ہیں بالکل اسی درجے میں ہم صحابہ کرامؓ کے اقوال وآثار کے بھی محتاج ہیں، کیونکہ صحابہ کرامؓ ہی وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید سیکھنے کی سعادت حاصل کی، اور وہ اسلامی احکامات اور تعلیمات کے پس منظر، ماحول اور حدود وقیود سے واقف ہونے کی وجہ سے قرآن حکیم کا درست فہم اور ادراک رکھتے تھے۔

الغرض اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی کسی بھی زبان میں ہونے والی گفتگو اور کلام کو سمجھنے کے لیے اس زبان کا اعلیٰ ذوق، متکلم کی منشاء تک رسائی اور گفتگو کا پس منظر جاننا ضروری ہے، اسی طرح فہم قرآن کے لیے عربی زبان کے اعلیٰ ذوق کے ساتھ ساتھ کلام الٰہی کے معنی مفہوم، جو حدیث وسنت کی صورت میں محفوظ ہے، کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کا معنی اور مفہوم خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے اور پھر اپنی مخلوق کے سامنے اس کو بیان کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ کو تفویض کی ہے، یہی وجہ ہے کہ پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا وہ مفہوم جس کا تعین صحیح احادیث کے ذریعے ہو چکا ہے، اب ان آیات کی کوئی بھی تشریح محض لغت اور عقل کی بنیاد پر کرنا کھلی گمراہی ہے۔ قرآن مجید میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق بنیادی اصول تو موجود ہیں لیکن ان اصولوں کی توضیح اور تشریح حدیث رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں کئی آیات بطور مثال پیش کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اولین مخاطب چونکہ حضرات صحابہ کرامؓ تھے اور انہوں نے قرآن مجید براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے اس لئے وہ تمام احکام الٰہی کے عینی شاہد ہیں کہ کس حکم کا پس منظر اور دائرہ کار کیا ہے۔ اس نقطہ نظر سے آثار صحابہؓ کی اہمیت بھی حدیث وسنت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

☆........O........☆

## حوالہ جات وحواشی

(1) ''تفسیر ماجدی''ص:۵۵۷(تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء)

(2) بخاری، کتاب التفسیر، باب ، ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴾، ح:٤٩٢٩، ص:١٠٦٤

(3) بخاری، کتاب التفسیر، باب ، ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴾، ح:٤٩٢٩، ص:١٠٦٤

(4) "تفسیر القرآن العظیم"، تفسیر سورة القیامة، ٤/٤٤٩

(6) بخاری، کتاب الصوم، باب قول اللّٰه تعالیٰ ﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ....﴾

ح:١٩١٦، ص:٣٧٨

(7) بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللّٰه تعالیٰ، ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ ،

ح:٣٤٢٨ ، ص: ٧٠٥

(8) ابو داود ، کتاب الزکوة، باب فی حقوق المال، ح:١٦٦٤، ص:٢٤٧

(9) بخاری کتاب الزکوة ، باب ، ماادّی زکوٰته فلیس بکنزٍ، ح:١٤٠٤، ص:٢٧٨

(10) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر ، تفسیر سورة النساء، ١/٥٦١

(11) المسند ، حدیث ابی بکر صدیقؓ، ح :٦٩، ص:٢١

(12) ترمذی ابواب تفسیر القرآن ، باب ومن سورة النساء ، ح:٣٠٣٩، ص:٦٨٤

(13) بخاری ، کتاب التفسیر، سورة﴿اِذَالسَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾، ح:٤٩٣٩، ص:١٠٦٨

(14) بخاری ، کتاب التفسیر، سورة﴿اِذَالسَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾، ح:٤٩٣٩، ص:١٠٦٨

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(15) مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین وقصر ھا، باب صلوۃ المسافرین وقصرھا، ح:١٥٧٣، ص:٢٧٩

(16) بخاری ، کتاب التفسیر، باب ،﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ ،ح:٤٦٥٠، ص:٩٦٦

(17) ترمذی، ابواب التفسیر، تفسیر سورۃ بقرۃ، ح:٢٩٧٢، ص:٦٦٨

(18) مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی 'اھل الجنۃ منزلۃ فیھا، ح: ٤٧٣، ص:١٠٠

(19) بخاری ، کتا ب التفسیر ، باب﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى﴾ ،ح٤٥٧٤، ص٩٤٦

(20) بخاری ، کتاب التفسیر، باب ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ،ح: ٤٤٩٥، ص:٩٢٧

(21) ترمذی ، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المائدۃ، ح:٣٠٥٨، ص:٦٨٨

(22) المسند ، حدیث ابی بکر صدیقؓ، ح:١٧ ، ١/١٠

(23) ابن ماجه ، المقدمه، باب اتّباع سنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّن، ح:٤٢، ص:٦

(24) "مشکواۃ المصابیح "باب مناقب الصحابۃ ، الفصل الثالث ، ص:٤

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

# مصادرومراجع

☆ابن کثیرؒ،ابوالفداء اسماعیل بن عمر(701-774ھ)

"تفسیر القرآن العظیم"،امجد اکیڈمی،اردو بازار،لاہور،1982ء

☆ابن ماجہؒ،محمد بن یزید(209-273ھ)

"سنن ابن ماجه" ، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض، 1999ء

☆ابوداؤدؒ،سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی السجستانی ، (202-275ھ)

"سنن ابی داؤد" ، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض ، 1999ء

☆احمد بن حنبلؒ،ابوعبداللہ الشیبانی، (164-241ھ)

"المسند"، دار احیاء التراث العربی، بیروت،1991ء، مجلدات:7

☆بخاری،محمد بن اسماعیل،ابوعبداللہ(192-256ھ)

"صحیح البخاری"، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض،1997ء

☆ترمذیؒ،ابوعیسیٰ،محمد بن عیسیٰ،الامام (200-279ھ)

" جامع الترمذی"، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض، 1999ء

☆خطیب تبریزیؒ،ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ،(م 574ھ)

"مشکوٰۃ المصابیح " قدیمی کتب خانہ،کراچی،1368ء

☆دریابادیؒ،عبدالماجد،مولانا، (1892-1977ء)

"تفسیر ماجدی"، تاج کمپنی لمیٹڈ،لاہور،2001ء

☆مسلم بن حجاج بن مسلم القشیریؒ،الامام ابوالحسین،(204-261ھ)

" صحیح مسلم"، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض، 1998ء

☆النسائیؒ،احمد بن شعیب بن علی ابن سنان،ابوعبدالرحمٰن، (215-303ھ)

" سنن النسائی"، دارالسلام للنشر و التوزیع، الریاض، 1999ء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com